Vol. 5 No.4 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

وارث علوی کا انتقاد شاعری

WARIS ALAVI'S CRITICISM OF POETRY

تحسین فاطمہ: پی ایچ ڈی اسکالر (علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد)

ڈاکٹر نورینہ تحریم بابر: ایسوسی ایٹ پروفیسر (علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد)

Abstract:

The style and concept of Waris Alvi regarding poetry and poets is very loving and compassionate. In the light of critical essays written on various poets, we can say that Waris Alvi is undoubtedly an eloquent critic of poetic comprehension. In addition to the structure of the poem or verse, he also considers its thoughts. It would be more accurate to say that he attaches more importance to the intellectual upliftment of poetry.For him, criticism is a process of discovery and revelation. The pleasure he gets from reading a good verse, poem or a ghazal, he not only shares with his readers, but also acquaints them with the reasons connected with this happiness and the height of poetic imagination. With reference to literature, writers and poets, Waris Alvi goes on to say that literature is about life and society.

Writers and poets also artistically reflect life and society in their works, but Waris Alvi considers the inclusion of a purpose in literature to be a limitation. For him, it is important for the writer and creator to keep an eye on the vast canvas of life. The style of Waris Alvi is natural. He does not resort to texture or rhetoric. Nor does it give much importance to a writer or poet who uses political slogan.

Keywords: Compassionate, Eloquent, Upliftment, Artistically, Limitation, Rhetoric.

وارث علوی کی تنقید متنوع جہات کی حامل ہے۔ انھوں نے اردو ادب کی ہر صنف کو اپنے مخصوص تنقیدی پیرائے میں دیکھا ہے۔ اس حوالے سے بات اگر شاعری کی کی جائے تو وارث علوی کے مختلف شعرا پر لکھے گئے تنقیدی مضامین کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ وارث علوی ایک سخن فہم اور شعر شناس نقاد ہیں۔ وہ شعری ساخت کے ساتھ ساتھ شعری فکر پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ وہ شعر کی فکری اڑان کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک تنقید دریافت اور انکشاف کا عمل ہے۔ اچھے شعر، اچھی نظم یا اچھی غزل کے مطالعے سے انھیں جو مسرت حاصل ہوتی ہے، وہ نہ صرف اس میں قارئین کو شریک کرتے ہیں بلکہ اس مسرت سے جڑی ہوئی وجوہات اور شاعرانہ تخیل کی رفعت و بلندی سے بھی روشناس کراتے ہیں۔ وارث علوی نے شاعری اور شعر اسے متعلق جو انداز اور تصور اپنایا ہے وہ محبت آمیز اور ہمدردانہ ہے۔ اس کی واضح جھلک ہمیں "کچھ بچالایا ہوں" میں کچھ اس طرح ملتی ہے:

"لفظ رنگ نہیں لیکن شاعر اس سے تصویر بناتا ہے، ساز نہیں لیکن وہ سنگیت کی تان اٹھاتا ہے، سنگ نہیں لیکن وہ مجسمے تراشتا ہے۔ زبان شاعر کے لیے بند ڈبے کا گوشت نہیں بلکہ خون میں نہایا ہوا شکار ہے جسے دیکھ کر، چھو کر، چکھ کر سونگھ کر شاعر کے پانچوں حواس جاگ اٹھتے ہیں۔ اب اس بحث سے کیا فائدہ کہ جو کچھ ہوا اس کا ذمہ دار کون تھا۔ اس طوفان خاک و خون سے جس میں تناسب کچھ تباہ ہوا، میں زبان کو بچا یا ہوں"۔ ([i])

شعر اور نثر کی تفریق کے بارے میں وارث علوی نے شمس الرحمان فاروقی کی کتاب شعر، غیر شعر اور نثر پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے خیالات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ "شعر غیر شعر اور نثر" معروف ادیب اور نقاد شمس الرحمان فاروقی کی تنقیدی کاوش ہے۔ اس کتاب میں شاعری کے بارے میں "شعر کی داخلی ہیت"، "شعر، غیر شعر اور نثر" اور "اردو شاعری میں غالب کا اثر" جیسے اہم مضامین شامل ہیں۔ یہ شمس الرحمان فاروقی کا معرکہ آرا مضمون ہے جس میں شاعری کی کچھ بنیادی خوبیاں، معیار اور نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ اس طویل بحث میں مضمون نگار کلام موزوں اور شاعری، شاعری اور نثر، شعر اور شعری نثر اور نثری شاعری کے درمیان فرق واضح کرتے ہیں۔ شعر کی ظاہری صفات، علم بیان اور ان کا شاعرانہ استعمال بھی اس تحریر کا موضوع ہے۔ یہ تفصیلی مضمون زبان، علم بیان اور شعری جمالیات پر مصنف کی عالمانہ افکار کا مظہر ہے۔ اس کے اختتام پر مضمون نگار، شاعری کی پہچان یا تعریف بیان کرتے ہیں جس کا حوالہ وارث علوی اپنے تبصرے میں شامل کرتے ہیں:

Vol. 5 No.4 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

"جس تحریر میں موزونیت اور اجمال کے ساتھ ساتھ جدلیاتی لفظ یا ابہام ہو گا وہی شاعری ہو گی"۔ (ii)

تاہم وارث علوی چند مغربی تخلیق کاروں کی مثال دے کر کہتے ہیں کہ جدید شاعری نے نثر کی خصوصیات کو شاعری میں جگہ دی ہے۔ اس لیے فاروقی کا نظریہ "خاص قسم کی شاعری" اور "جدید شاعری" کے لیے ہی درست ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کتاب میں شامل ایک مضمون کے بارے میں وارث علوی کا کہنا ہے "راشد کی شاعری شان دار ہے مگر صرف صوت و معنی کو ہی مرکز بنالینا؛ شاعر کے ساتھ اور اس کے فن کے ساتھ زیادتی ہے۔ صرف لفظیات اور صوتیات ہی کو خصوصیت ماننا اور دیگر مسائل و افکار کی طرف توجہ نہ دینا، جن سے فن کار کا لازمی سروکار ہوتا ہے، تنقید کے منصب سے مطابقت نہیں رکھتا۔ پھر کسی فن کار کی ایک خصوصیت کو اتنی اہمیت دینا کہ دوسروں کی دیگر خصوصیات ملیامیٹ کر دی جائیں، جانب داری کے زمرے میں آجاتا ہے۔

وارث علوی کا ٹالسٹائی کے جملے سے شروع ہونے والا ایک مضمون "قافیہ تنگ اور زمین سنگلاخ" ہے جو روایتی قسم کے ناقدین کے عمومی رویے پر دلچسپ اور تمثیلی انداز میں تنقید پر مشتمل ہے۔ اس مضمون میں وارث علوی فن کار کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس کنبے میں جب کوئی انجینئر ڈاکٹر یا سیاست دان بن جائے تو کنبہ خوش ہوتا ہے اور اگر کوئی شاعری شروع کر دے تو ماں تک بد دعا دیتی ہے"۔(iii)

فن کار کے اندر جاری مسلسل تخلیقی عمل کو بیان کرتے ہوئے وارث علوی کہتے ہیں کہ بہ ظاہر شاعر کی جستجو محض قافیے کے لیے ہوتی ہے مگر اس کے اندر پکنے والے تجربے کی بدولت بعض اوقات گوہر نایاب بھی ملتا ہے۔ آخر میں مصنف بے جا قسم کی سماجی پابندیوں کو فن کار پر عائد کرنا کارِ عبث سمجھتے ہیں۔ روایتی نقاد کی روایتی، سماجی ذمہ داریاں سب شہریوں پر لاگو ہوتی ہیں۔ فن کار کے تخلیقی کام کی نوعیت یکسر مختلف ہے۔ مضمون کے آخری حصے سے ایلیٹ کا ایک جملہ پورے مضمون کا خلاصہ کہا جاسکتا ہے: "اسی لیے تو ایلیٹ نے کہا ہے کہ شاعری کا اگر کوئی ساری فنکشن ہے تو وہ ہے زبان کی حفاظت"۔(iv)

وارث علوی کا شاعری اور افسانے کے موضوع پر ایک مضمون شاعری اور افسانہ محمد ہاشمی کے مضمون "تخلیقی افسانہ کا فن" کا ردعمل ہے جس میں وہ لکھتے ہیں:

"محمد ہاشمی، شاعری، موسیقی اور مصوری کو ہی ادب یا آرٹ کا نام دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ افسانہ بے چارہ خواہ مخواہ گیہوں کے ساتھ گھن کی طرح ادب کے چکر میں پڑا ہوا ہے"۔(v)

اس مضمون میں ولیم پیٹر کا ذکر ہے جن کے مطابق تمام فنون میں موسیقی اعلیٰ ترین فن ہے۔ ان کے نزدیک اگر محض وہ شاعری ہی اعلیٰ و ارفع ہے جو غنائیت اور سنگیت کے قریب تر ہو تو پھر دانش ورانہ اظہار پر ذہنی، فکر انگیز خیالات کی حامل اور رزمیہ، بیانیہ، ڈرامائی اور ماجرائی شاعری کا کیا بنے گا جو انسان اور انسانی فکر کو حرکت میں لانے کا باعث بنتی ہے۔ پھر وہ فوک ادب، تھیٹر اور فلمی گیتوں کا حوالہ دے کر کہتے ہیں کہ ضروری نہیں تحریر کی اور کتابی شکل میں بھی یہ اتنی اہمیت کے حامل ہوں جس قدر یہ زبانی یا سن کر اہم لگتے ہیں۔

وارث علوی کے نزدیک دنیا کی بہترین شاعری ہمیشہ افسانوی شاعری رہی ہے۔ ہومر کی آڈیسی، ملٹن کی نظم فردوس گم گشتہ اور چاسر کی منظوم کہانیاں اس کی اہم مثالیں ہیں۔ مشرق میں بھی شاہنامہ، رامائن، مہابھارت، عشقیہ و تاریخی مثنویاں سبھی افسانوی شاعری پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح کالرج، کیٹس، بائرن، شیلے، آرنلڈ اور ٹینی سن کے ہاں بھی ایسی بہت سی نظمیں ملتی ہیں جن میں کہانیاں اور قصے بیان ہوئے ہیں۔ واقعاتی اور ماجرائی نظمیں بھی مشرق میں مروج ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ بیانیہ وسیلہء اظہار اور رزمیہ شاعری کی جگہ ناول نے لے لی۔

وارث علوی جہاں نقاد کی ضرورت و اہمیت پر زور دیتے ہیں وہاں وہ تخلیق کے ظاہری حسن و خوبصورتی سے زیادہ تخیل اہم گردانتے ہیں۔ شاعری پر ان کے اکثر مضامین کلاسیکل شعرا کے ساتھ ساتھ جدید شعرا کی تخلیقات کا احاطہ کرتے ہیں۔ انھوں نے نئے شعرا کی بلا تخصیص تحسین کے ساتھ ساتھ تنقیدی نکات کو بھی مدنظر رکھا ہے۔ جس تخلیق نے ان کے ذوق، شوق اور شعور کو متاثر کیا، اس پر انھوں نے اپنے خاص اور تیکھے انداز میں اپنا تجزیہ اور تبصرہ پیش کر دیا۔ جن شعرا کی تخلیقیت نے انھیں کیف و سرشاری بخشی، انھوں نے ان کا حق ادا کرنا اپنا فرض سمجھا۔

Vol. 5 No.4 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

اگر چہ کلاسیکل شعرا پر وارث علوی نے بہت کم لکھا ہے لیکن سودا کے طنزیہ کلام کا انھوں نے اپنے مخصوص اور اچھوتے انداز میں جائزہ لیا ہے۔ کئی صفحات پر مشتمل اس مضمون کا آغاز انھوں نے " آب حیات میں درج ایک لطیفے سے کیا ہے۔ جو مرزا رفیع سودا کی باغ و بہار شخصیت کا عکاس ہونے کے ساتھ ساتھ طنز اور حجت کی طرف ان کے قدرتی رجحان کا غماز بھی ہے۔ ہجو گوئی سودا کا مشغلہ تھا۔ اسی صنف میں انہوں نے اپنی ذہانت اور ظرافت کے وہ جوہر دکھائے کہ اسے گونا گوں موتیوں سے بھر دیا۔ بقول وارث علوی:

"سودا کی ہجو گوئی ایک ناقابل اعتنا اور نظروں سے گری ہوئی صنف سخن بام عروج پر پہنچ گئی۔" (vi)

مرزا رفیع سودا کی ہجوؤں کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ وقت گزرنے کے باوجود آج بھی ہمارے لیے دلچسپی اور ادبی ذوق کی تسکین کا باعث ہیں۔ قصیدہ "شہر آشوب"، "مخمس"، "قصیدہ مسمی بہ تضحیک روز گار"، "ہجو بخیل" وغیرہ سودا کی ایسی نظمیں ہیں جن میں ان کا طنز اور اسلوب اپنے جوبن پر ہے۔ وارث علوی درج بالا نظموں کا تفصیلی جائزہ لے کر عملی تنقید و تبصرہ کرتے ہیں اور مختلف شعرا کی ہجو سے تقابل بھی کرتے ہیں۔ مثلا انور کی شاعری سے موازنہ کرتے ہوئے وارث علوی کہتے ہیں:

"جو حقیقت بیانی صناعی اور زہر میں بجھا ہوا تیر سودا کے اشعار میں ہے، اس کا پرتو بھی انوری میں نظر نہیں آتا۔"
(vii)

اپنے مضمون کے آخر میں وارث علوی مرزا رفیع سودا کی طنزیہ شاعری کو حیات اور مسرت بخش عناصر کی وجہ سے ایک زندہ حقیقت اور صحت مند روایت قرار دیتے ہیں۔ نقاد، شاعر کو قید گم نامی سے نکالنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی کوشش میں وہ اپنے سے قبل کے تمام ناقدین کو نہ صرف رگید ناضروری سمجھتا ہے بلکہ شاعر کی خوبیوں کو بھی باخوبی بیان کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے اور شاعر کی خامیوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ وارث علوی کے مطابق عطاءاللہ پالوی کی کتاب "تذکرہ شوق میں بھی کچھ ہی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

مرزا شوق کا ذکر کرتے ہوئے وارث علوی کہتے ہیں کہ "بہار عشق" اور "فریب عشق" ایسی کتابیں ہیں جن پر الطاف حسین حالی سے لے کر مختلف ناقدین نے ان پر مضامین لکھے ہیں۔ کلام شوق سے انھوں نے جملہ خوبیوں اور خامیوں کی جانچ پرکھ کی ہے۔ وارث علوی کہتے ہیں جب میتھیو آرنلڈ کا یہ جملہ مشہور ہوا کہ: "ادب نقد حیات ہے"۔ تو ہر عام و خاص تخلیق کار کے ہاں نقد حیات کے عناصر دستیاب ہونے لگے۔ اسی طرح شوق کے کلام میں بھی روح عصر کی جھلکیاں واضح ہونے لگی۔ ان کی مثنویوں کو بھی لکھنؤ کی تائید پسند زوال پذیر معاشرت کا پرتو سمجھا جانے لگا۔ شاعری کے تخیل اور شعور کو ایک مخصوص ماحول اور خاص حالات کی وجہ قرار دے کر اس کی کمزوریوں کو جائز گردانا گیا۔ پھر رومانی انداز کا چلن بھی عام ہوا تو ادب حسن کا متلاشی اور پرستار سمجھا جانے لگا۔ ادب اور تنقید کے سر سے اخلاقی بوجھ اترنے لگا۔ پھر شوق کی مثنویات کے جمالیاتی محاسن کھلنے لگے۔ بقول وارث علوی:

"عریانی کا معاملہ جو شوق کے مداحوں اور معترضین کے درمیان تنازع بنا ہوا تھا، بیٹھے بیٹھائے حل ہو گیا۔" (viii)

اس کے بعد فراق کی حد سے بڑھی ہوئی تخلیقی کاوشوں کو بھی جمالیات سے تعبیر کیا گیا۔ ترقی پسندوں نے ادب کے سماجی کردار پر زور دیا۔ سجاد ظہیر اور دیگر مبصرین و ناقدین نے جو مضامین لکھے ہیں ان میں ایسا لگتا ہے کہ کوئی بھی اردو مثنوی نگار ان کے آدرش اور معیار پر پورا نہیں اتر سکا۔ مثنوی کے ساتھ شعریت اور متن کو اپنے اپنے انداز میں دیکھا گیا۔ واقعات اور کہانی کو افسانے کی طرز پر جانچنے کی کوشش کی گئی۔ مثنوی نگاروں کا ڈرامہ نگاروں سے تقابل بھی ہونے لگا۔ تمام باتوں کے باوجود کچھ نہ کچھ ادبی تنقید کی صداقت ہر کسی کے پاس ملتی تھی۔ تاہم اختلافات اور تضادات بھی موجود رہتے تھے جن میں فکری ہم آہنگی پیدا کرنا مشکل ہے۔ حالی، عبدالحق، نیاز فتح پوری، جوش، فراق، خواجہ احمد فاروقی، آل احمد سرور اور سجاد ظہیر جیسے مختلف ناقدین نے شوق پر تبصرے کیے ہیں۔ مرزا شوق کی شخصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے وارث علوی کہتے ہیں کہ وہ ایک یارباش و حسن پرست اور کامیاب عاشق تھے۔ میدان محبت میں انھوں نے جو کامیابیاں اور کامرانیاں حاصل کیں ان کا فخریہ اظہار کرتے ہیں۔ "فریب عشق" اور "بہار عشق" کے مطالعے سے اس کا بخوبی

Vol. 5 No.4 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ عطاء اللہ پالوی نے ان تمام ناقدین کا جائزہ لیا ہے ہیں جنھوں نے مرزا شوق کی شاعری پر الزام لگا کر انھیں مطعون و مردود ٹھہرایا۔ اس انداز کو وارث علوی اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"شوق کی کمزوریوں اور کوتاہیوں سے آنکھیں چرا کر عطاء اللہ پالوی نے تمام کتاب کو کتاب المنقبت بنا دیا ہے۔" (ix)

مضمون کے آخر میں وارث علوی، عطاء اللہ پالوی کے اسلوب کی تعریف کرتے ہیں کہ ان کی زبان اور انداز بیان سادہ ہے مگر کہیں کہیں پر تکلف اور عبارت آرائی کا عنصر بھی ملتا ہے جس کے خلاف مرزا شوق نے علم بغاوت بلند کیا تھا۔ مضمون قدیم شاعری پر وارث علوی کی ایک متوازن تحریر ہے جس میں مثنوی کی مختصر روایت اور اس کی تنقید کی تاریخ سے بھی آگاہی ملتی ہے۔ ان کا مدلل تجزیہ اور ادب سے متعلق واضح نظریہ اس مضمون میں بھی نمایاں ہے۔

کلاسیکل شعراء کے ساتھ ساتھ وارث علوی نے اپنی مختلف کتب میں شامل تنقیدی مضامین میں غالب کے علاوہ اقبال، جوش ملیح آبادی، ن۔ م۔ راشد، فراق، فیض، سردار جعفری، ساحر، مجاز، اختر الایمان، ندا فاضلی، جاوید اختر، محمد علوی، جان نثار اختر، محبوب راہی اور عادل منصوری کو بھی جگہ دی ہے۔

وارث علوی نے مرزا اسد اللہ خاں غالب جیسے ہمہ جہت شاعر اور تخلیق کار کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے جامع اور تفصیلی مضمون "غالب کی شاعری کے متعلق ہمارا تنقیدی روایہ" تحریر کیا۔ یہ مضمون علی گڑھ سیمینار شاہ فیصل میں غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر پڑھا گیا تھا۔ غالب پر لکھے گئے اس مضمون میں وارث علوی نے غالب سے اپنی محبت و عقیدت ظاہر کرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے عہد کے ناقدین کی بے پروائی کو بھی تفصیلی موضوع بنایا ہے۔ یہ مضمون در اصل پوری نقاد برادری کے احتساب کا گوشوارہ ہے جس میں سرسری اور عامیانہ انداز میں تعریف و توصیف کرنے والوں کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے اور منفی انداز فکر کے حامل ان ناقدین کا بھی تسلی بخش ذکر شامل ہے جنھیں غالب سے خدا واسطے کا بیر تھا۔ اول الذکر ناقدین میں حالی، شیخ اکرام اور بجنوری شامل ہیں۔ اگرچہ انھوں نے غالب کی شاعری کی شہرت میں اپنا حصہ ڈالا لیکن یہ حضرات کلام غالب کا حق ادا کرنے سے قاصر رہے۔ مقام غالب کا تعین تو رہی دور کی بات! جب کہ موخر الذکر ناقدین میں یگانہ چنگیزی، عبد اللطیف، جعفر علی خان اثر، ڈاکٹر گیان چند اور ممتاز حسین کے نام شامل ہیں جنھوں نے اپنی دانست میں غالب کے پرزے اڑانے کی بھرپور کوشش کی۔ ان مذموم کاوشوں کا پس منظر بیان کرتے ہوئے وارث علوی نے ایسے تمام گروہوں کی نشان دہی بھی کی ہے جو اپنے محدود علم سے مخصوص عزائم پورا کرنے کی ناکام کوشش کرتے رہے ہیں۔ 45 صفحات پر مشتمل اس مضمون کے آخر میں وارث علوی، غالب کی شاعری کے متعلق تنقیدی رویے کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"اگر میں چاہوں تو رواداری میں بہت سے ایسے نقادوں کے نام گنوا سکتا ہوں جنھوں نے اپنے مضامین کے ذریعے نہ صرف غالب کو مقبول بنانے میں بہت مدد کی بلکہ اس کی شاعری کی قدر و قیمت متعین کرنے کے لیے بہتر معیار بھی پیش کیے لیکن ان سب مضامین کو پڑھ کر بھی یہ احساس کسی طرح دور نہیں ہوتا کہ اردو میں غالب پر اچھے مضامین تو صرف دو ہی لکھے گئے ہیں، ایک حمید احمد خان کا مضمون "غالب کی شاعری میں حسن و عشق" اور دوسرا آفتاب احمد خان کا مضمون "غالب کا غم"۔---یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ان دونوں خان صاحبان کی قد و قامت کا کوئی تیسرا نقاد ابھی تک ہم غالب کو نہ دے سکے۔" (x)

اقبال کے کلام اور فکر پر وارث علوی نے چوبیس صفحات پر مشتمل مضمون "شاعری، فلسفیانہ شاعری اور اقبال" میں فلسفیانہ شاعری پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اقبال کے نزدیک فلسفہ دماغ کا ہی نہیں دل کا بھی معاملہ ہے۔ انہیں اقبال کے ناقدین سے گلہ ہے کہ ان کی تنقیدی تحریروں میں کلام اقبال سے زیادہ فلسفہ نظر آتا ہے۔ ان پر تنقید کرنے والے بنیادی طور پر ادبی نقطہ نظر کے حامل نہیں تھے۔ انھوں نے اقبال کے افکار کی تاویلات اور تشریحات تو ضرور کی ہیں مگر ادبی تجربات اور جمالیاتی اقدار پر مشتمل اصول و ضوابط کی روشنی میں ان کے کلام کا تجزیہ نہیں کیا۔ اس رویے سے اقبال کے قارئین کافی حد تک مستفید ہونے سے رہ گئے اور ان کا ذہن فلسفیانہ تصورات اور مختلف عصبیات میں کھو کر رہ گیا۔

Vol. 5 No.4 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

اقبال کی شاعری میں شامل بہت سے افکار آج بھی ہماری توجہ حاصل کرتے ہیں۔ "جبرائیل اور ابلیس کا مکالمہ" اقبال کی چند بہترین تخلیقات میں سے ایک ہے۔ مختلف کرداروں پر لکھی ہوئی ان کی نظمیں ڈرامائی انداز کی حامل ہیں۔ مذکورہ نظم میں شاعر اقبال فلسفی اقبال پر حاوی نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر کرداروں کے حوالے سے کہی گئی نظموں میں کبھی اقبال نے طنزیہ انداز کو اپنایا ہے۔ سیاسی و انقلابی خیالات کو طنزیہ رنگ میں پیش کر کے ان کی اہمیت اور بھی بڑھادی ہے جب کہ ان کے ناقدین اس خالص طنزیہ انداز اور شاعرانہ طرز کلام کو بھی فلسفیانہ رنگ دینے سے نہیں چوکتے۔

اقبال متنوع خیالات کے حامل ہیں۔ ان کے اشعار کی مثال دے کر وارث علوی بتاتے ہیں کہ اشعار میں خیال، امیج، دانش مندی، بصیرت، زندگی کے مشاہدات و تجربات اور صوفیانہ خیالات جیسے موضوعات شامل ہیں۔ اقبال کو دیگر فلسفی شاعروں پر یہ فوقیت ضرور حاصل ہے کہ انھوں نے دیگر فلسفیوں کے افکار و خیالات کو نہایت خلاقانہ انداز میں منظوم کیا ہے، نیز انھوں نے اس سلسلے میں یہ بھی احتیاط برتی ہے کہ وہ کسی ایک مکتبہ فکر کے پرچارک بن کر نہ رہ جائیں۔ اقبال بہ یک وقت شاعر بھی ہیں، خطیب بھی مفکر بھی ہیں اور فلسفی بھی۔ جب وہ اپنے بنیادی عقائد و تصورات کے ذریعے کائنات پر روشنی ڈالتے ہیں تو ان کی شاعری میں معانی کا ایک خزانہ ملتا ہے۔ وارث علوی لکھتے ہیں:۔

> "فن شاعری کے حوالے سے اقبال نے اکثر و بیش تر انتہائی عاجزی و انکساری اختیار کی ہے۔ خود کو شاعر کہنا کبھی شاعر کہلوانے کی دانستہ کوشش کی۔--- ایک خط میں تو یہاں تک کہتے ہیں کہ کیا عجب کہ آئندہ نسلیں مجھے شاعر تصور نہ کریں"۔ (xi)

جدید نظم گو شعرا میں ن۔ م۔ راشد ایک اہم اور منفرد مقام رکھتے ہیں۔ "ماورا"، "ایران میں اجنبی" اور "لا = انسان" ان کے شعری مجموعے ہیں۔ وارث علوی نے پینتیس (35) صفحات پر مشتمل "ن۔ م۔ راشد کی شاعری" پر مضمون تحریر کیا ہے۔ اس مضمون کا آغاز سپینڈر کے ایک دلچسپ نکتے سے کیا ہے۔ جس کو انھوں نے قدیم اور جدید شاعری کا فرق واضح کرنے کے لیے بیان کیا ہے۔ ان کے مطابق جدید شاعر اس انا سے محروم ہے جو خارجی حالات اور واقعات کو متاثر کرنے کی دعویدار ہے۔ (xii)

"ماورا" اور "ایران میں اجنبی" کی نظموں میں لہجہ توانا ہے مگر شاعر حالات کا شکار اور بے بس نظر آتا ہے۔ "ایران میں اجنبی" کا تجزیہ کرتے ہوئے وارث علوی کہتے ہیں کہ راشد کو حالات سنگین اور خارجی دنیا، سفاک ملتی ہے۔ اوپر سے اس کی بے بسی! یہ اندرونی حالات اور خارجی صورت حال شکست و ریخت کا باعث بنتی ہے۔ اگرچہ احتجاج میں بھی مجبوری، بے بسی اور اداسی ہے مگر اس احتجاجی آواز میں خلوص کی سادگی اور احساس کی شدت واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے۔

وارث علوی کے مطابق ن۔ م۔ راشد کی تخلیق "لا = انسان" میں شاعر کی آواز زیادہ واضح اور بلند آہنگ ہے۔ وہ انسانی تہذیب اور تاریخ سے متعلق ایسا تصور چاہتا ہے جو اس جیسے انسانوں کی الجھنوں کا حل کر سکے۔ راشد کی شاعری کے تجربات سیدھے سادے اور یک پرتی نہیں ہیں۔ اس کی شاعری میں کئی متضاد رویے اور مختلف لہریں ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے کلام پر کسی ایک رنگ کی چھاپ نہیں ہے۔ وہ کسی ایک سیاسی نظریے یا سیاسی تصور کو لے کر اپنی شعری پالیسی نہیں بناتے۔ راشد کسی سیاسی مسلک یا سیاسی نظریے کی بجائے اپنے اندرونی خلفشار کو ترجیح دیتے ہیں۔ وارث علوی ان کی نظموں "سوغات" اور "زنجیر" کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان نظموں میں دوہری کشمکش جدید نظم کا انفرادی پہلو ہے۔ ان کی فکر کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے وارث علوی کہتے ہیں کہ وہ انسان کی عظمت کے ترانے لکھنے کی بجائے اس کے سیاسی، سماجی، اخلاقی اور روحانی سفر کی حماقتیں لکھنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ وہ صحت مند زندگی کے احکامات اور انسانی آزادی کا مثبت تصور رکھتے ہیں۔

وارث علوی اپنے 22 صفحات پر مشتمل مضمون "جوش کی شاعری میں کلاسیکی اور جدید شعری اسلوب کی کشمکش" میں جوش کی شاعری کے اسرار و رموز اور ان کے اسلوب بارے اپنے مشاہدات و تجربات بیان کرتے ہیں۔ جوش کی شاعری، رومان اور انقلاب کا حسین امتزاج ہے۔ وارث علوی کی طرح دیگر ناقدین بھی ان کی نظم میں عالمانہ اور فلسفیانہ شخصیت کی جھلکیاں جابجا دیکھتے ہیں۔ جوش اگرچہ جدیدیت سے متاثر تھے تاہم انھوں نے نظم میں تجربات سے گریز ہی کیا۔ یہی وجہ ہے کہ علامت اور امیجری ان کے ہاں نام کو بھی نہیں۔ جوش نے واشگاف اور واضح انداز کو ہی اختیار کیا۔ ان کی نظم میں

Vol. 5 No.4 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

روانی اور آہنگ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ جوش کی نظمیں جذبات کی آمیزش، طبعی رنگینی اور حسن پرستی کے ساتھ ساتھ مقصدیت کی حامل بھی ہیں۔ انھوں نے اپنے تخلیق کمال کو اپنے نظریات کی

ترویج اور تبلیغ کا ذریعہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ بذلہ سنجی، نکتہ آفرینی اور طنز پر مبنی مخصوص طرز بیان سے جوش کی نظمیہ شاعری کی معنویت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ آغاز میں ہی جوش کے بارے ایک عمومی رائے کو موضوع بنا کر وارث کہتے ہیں:

"جوش تضادات کا شاعر ہے۔ یہ تضادات ان کی شخصیت میں کبھی ہیں اور شاعری میں بھی فن کارانہ چابک دستی کے ساتھ جہاں جہاں جذبات کی شدت کم ہوتی گئی، وہاں وہاں ان کی نظم میں اور د کا غلبہ بھی معلوم ہونے لگتا ہے۔" (xiii)

جوش نے حقیقت کا دونوں پہلوؤں سے جائزہ لیا ہے۔ روشن اور تاریک جہتوں کو سمجھ کر اپنے کرب کا اظہار کیا ہے۔ اس سبب سے ان کی نظم میں کاٹ پیدا ہوئی ہے جو وارث علوی کے مطابق بعض اوقات طنز کی انتہائی حدود کو چھوتی معلوم ہوتی ہے۔ اپنی نظم میں جوش کا رویہ ستائش اور عیب جوئی سے ہٹ کر ایک خاص سطح پر نظر آتا ہے جس میں ظرافت بھی ہے اور سنجیدگی بھی۔ ایسا نہیں کہ انھوں نے قصیدہ اور ہجو سے بالکل ہی پہلو تہی کی ہو بلکہ جوش اس سلسلے میں بھی تضادات سے باہر نہ نکل سکے۔ جوش کو مخصوص حقیقت پسندانہ اسلوب کی داد دیے بغیر چارہ نہیں جہاں وہ عام آدمی کے لیے درد مندی کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے پیش رو نظیر اکبر آبادی سے مشابہت رکھے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔ اس حوالے سے وارث علوی کہتے ہیں:

"جوش نے جہاں ضرورت پڑی نظیر کی طرز کو اپنایا بھی اور اس کا اعتراف بھی کیا مگر باوجود اس کے کہ نظیر ایک قادر الکلام شاعر تھے لیکن ان کا تخیل عامیانہ تھا۔ جوش کا معاملہ دوسرا تھا۔ وہ تو پورے عالم خاک کو زیر و زبر کرنے پر تلے ہوئے تھے۔" (xiv)

وارث علوی بلا تمہید کسی رسمی تعارف کے بغیر مضمون "جان نثار اختر کی شاعری" میں جاں نثار اختر کی نظم "اندیشہ سے اپنے تبصرے کا آغاز کرتے ہیں۔ اس نظم کی ردیف "چھین نہ لے" کو موضوع بنا کر ان چیزوں کی نشان دہی کرتے ہیں جن کے چھن جانے کا شاعر کو خوف لاحق ہے۔ ذوق سفر سے خون جگر اور فکر و نظر تک سب متاع بیش قیمتی نہیں بلکہ انمول سرمایہ بھی ہے۔ شاعر کو بس یہ خوف ہے کہ کہیں حسن کی کرشمہ سازیاں اسے غم دوراں سے بے نیاز نہ کر دیں۔ وہ روحانی انقلاب پسند ہے، جدوجہد کرتا اور متحرک رہتا ہے۔ وارث علوی کے الفاظ میں:

"جاں نثار اختر کی شاعری ایک ایسے تندرست اور توانا جذبے کی شاعری ہے جو بزم حیات اور رزم حیات کی مختلف منازل سے گزرتی ہے۔" (xv)

"گھر آنگن" کی شاعری کا تقابل مغربی شعرا سے کرتے ہوئے وارث علوی، جاں نثار اختر کو فوقیت دیتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے ہاں تھکاوٹ اور مایوسی کے آثار نہیں ہیں۔ جب کہ معروف مغربی شعرا خارجی دنیا سے مایوس ہو کر گھر میں مقید ہو جاتے ہیں۔ فراق کی مثال دیتے ہوئے وہ اسے اس قسم کی بہترین شاعری قرار دیتے ہیں جس میں لطیف جذبات بھی ہیں اور ان کی تصویریں بھی چلتی پھرتی دکھائی دیتی ہیں۔ رومان پسند اور جمال پرست ہونے کے باوجود وہ غم دوراں اور غم جاناں میں توازن رکھنا جانتے ہیں۔ صفیہ اختر پر لکھی گئی نظموں کو وارث علوی اردو کی چند بہترین نظمیں کہتے ہیں۔ "خاک دل" ان کی پہلی نظم، دوسری بیوی خدیجہ کے نام ہے۔ اس مثال سے وارث علوی یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ شاعر کی وابستگی تصورات سے نہیں حقیقت سے ہے۔ اس حقیقت پسندی کے باعث وہ جذباتیت کا شکار نہیں ہوتا۔ پھر دو نظموں "خاک دل" اور "خاموش آواز" کا تذکرہ کرتے ہیں جن میں شاعر غم زدہ ہے۔ پھر "آخری لمحہ" اور "آخری ملاقات" کا ذکر کرتے ہیں جن میں شاعر موت کے کرب سے گزرتا ہے مگر شاعر جذبات کی رو میں بہنے کی بجائے ان پر قابو پالیتا ہے۔ "آخری لمحہ" جاں نثار اختر کی ایک اور اہم نظم ہے جسے سردار جعفری ایک طرح کی وصیت کہتے ہیں مگر وارث علوی کے نزدیک یہ وصیت بطور وصیت تو خوبصورتی کی حامل ہے یہ نظم شاعر نے دل کا دورہ پڑنے کے بعد اپنی بیٹی منیزہ کو مخاطب کر کے لکھی ہے۔ موت کے لمحات میں لکھی گئی نظم کا موضوع حیات ہے۔ ایک زندگی اختتام کے قریب ہے اور ایک وہ زندگی ہے جس کی شاہراہ پر نیا مسافر آیا ہے۔ موت کے کرب اور ڈر کے باوجود نظم کی ردیف تک حسین ہے۔ آخری لمحہ کا آخری بند وارث علوی کے الفاظ میں:

Vol. 5 No.4 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

"عمل وجدوجہد کا ایک طویل استعارہ بن گیا ہے۔"(xvi)

اسی موضوع پر ان کی ایک اور نظم "آخری ملاقات بھی زندگی کی شاعری ہے کیوں کہ شاعری تخلیق ہے۔

اس کے بعد وارث علوی، جاں نثار اختر کی سیاسی شاعری کو موضوع بحث بناتے ہیں۔ ان کے مطابق جاں نثار کی سیاسی اور ترقی پسند شاعری دیگر سیاسی شاعری سے بہت مختلف نہیں ہے جب کہ سردار جعفری اور فیض احمد فیض کو وہ اس حوالے سے منفرد اور کامیاب شاعر کہتے ہیں۔ اس لیے جاں نثار اختر نے جلد ہی اس راستے سے خود کو الگ کر لیا تھا۔ انھوں نے نئی شاعری میں بھی اپنے اسلوب کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ "پچھلے پہر" کی غزلیات اس بات کا ثبوت ہیں کہ انھوں نے اپنے کسی ہم عصر سے کچھ مستعار نہیں لیا۔ وہ جدید شاعری کو سمجھتے ضرور ہیں مگر اس کے باوجود وہ اپنی شاعری اپنے رنگ اور اسلوب میں کرتے ہیں۔ وہ حقیقت پسند اور زندگی کی تلخ حقیقت کو سمجھتے ہیں۔ اس غزلیہ مجموعے پر وارث علوی نسبتاً مختصر تبصرہ کرتے ہیں۔ ستائیس صفحات پر مشتمل اس مضمون میں صرف چھ صفحات "پچھلے پہر" کو دیے گئے ہیں۔ تاہم آخری چند سطور میں وارث علوی نے جاں نثار اختر کے تخلیقی سفر کو ایک جملے میں بیان کر کے گویا دریا کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی ہے:

"رومان سے انقلاب اور انقلاب سے جدیدیت کی طرف جاں نثار اختر کی شاعری کا سفر ایک ایسی تخلیقی توانائی کی نشان دہی کرتا ہے جو ہر دور اور ہر زمانے کا چیلنج قبول کرتی ہے۔" (xvii)

اردو شعری ادب کی تاریخ میں کچھ ایسے شعرا بھی سامنے آتے ہیں جو بہ یک وقت غزل اور نظم ہر دو اصناف میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ دونوں اصناف میں وہ مقدار اور معیار کے لحاظ سے قابل قدر اضافے کرتے ہیں۔ ایسے شعرا میں اقبال، فراق، جوش، نظیر، فیض اور منیر نیازی کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ وارث علوی معروف غزل گو شاعر فراق گورکھ پوری کی نظمیہ شاعری کو موضوع بناتے ہیں اور مضمون "نظم گو فراق" کے آغاز ہی میں وہ فراق کا موازنہ اقبال اور جوش کی شاعری سے کرتے ہیں۔ جوش اور فراق کی نظمیہ شاعری کو سراہتے ہوئے وارث علوی کہتے ہیں:

"جو بات ان دونوں شاعروں نے جس طرح کہی وہ اقبال کے نابغہ کے اختیار میں بھی نہ تھی"۔ (xviii)

وارث علوی - فراق گورکھپوری کی نظم "نغمہ حقیقت سے اپنے تبصرے کا آغاز کرتے ہیں جو کہ فلسفیانہ ہے۔ اس کا آہنگ بلند اور موضوع وحدت الوجود کے گرد گھومتا ہے۔ یہ ایک شاہکار نظم ہے جس میں شاعر نے قدرت کلام کا مظاہرہ کیا ہے مگر ان ظاہری خصوصیات اور صفات کے باوجود وارث علوی اسے نظم کا سقم قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق یہ نظم ذہن پر کوئی نقش چھوڑنے میں کامیاب نہیں ہوتی۔ اسی طرح "ہاں اے دل افسردہ" اور "ترانہ خزاں بھی ایسی نظمیں ہیں جو کانوں کو تو بھلی لگتی ہیں مگر وہ کوئی تصویر، تصور یا امیج نہیں بنا سکتیں۔ جب کہ وارث علوی "آدھی رات"، "پرچھائیاں" اور "جگنو" کو فراق گورکھ پوری کے ارفع خیالات کے بہترین نمونے قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد وارث علوی- "شام"، "عیادت" اور اس سے ملتی جلتی ان تیرہ نظموں پر اپنی رائے دیتے ہیں جو غزل کی فارم میں ہیں۔ ان میں رومانی محبت کے احساسات ہیں اور انداز سراپا نگاری والا ہے۔ اس کی دیگر صفات اردو شاعری کو عشقیہ رنگ کے ایک نئے روپ سے روشناس کراتی ہیں۔ وارث علوی ان کی اس اسلوب کی نظموں پر اظہار خیال کے بعد حیران اس بات پر ہیں کہ فراق جیسے وسیع المطالعہ شاعر نے نظمیہ شاعری میں بھی غزل کا انداز کیوں برقرار رکھا؟ ان کے پاس آدھی رات"، "پرچھائیاں" اور "جگنو" میں اعلی معیار کی نظموں کی تعداد کم کیوں ہے؟ اسی طرح کے ارفع تخیل پر مشتمل "پنڈورا" بھی وارث علوی کے نزدیک ورڈزورتھ کی طویل نظم Preludes کی طرز پر شاعرانہ ذہن کی نشوونما کی تصویر پیش کرتی ہے۔ اس میں واقعات و تجربات کا بیان بڑے تسلسل اور روانی سے کیا گیا ہے جس کی وجہ سے پڑھنے والا اس میں ڈوب جاتا ہے۔ فراق کی یہ مقبول و معروف نظمیں اپنے اسلوب اور نغمگی کے باعث وارث علوی کو اقبال کی نظم "ایک شام" اور فیض کی "سرو دشبانہ" کی یاد دلاتی ہیں۔ تاہم فراق کی نظم انہیں اپنے بصری پیکروں کی اضافی صفت کی بنا پر بڑا تخلیقی کارنامہ لگتی ہے۔ مضمون کے آخر میں نظم "جگنو" کو موضوع بناتے ہوئے وارث علوی کہتے ہیں کہ یہ نظم نہیں برسی کے اس نوجوان کے جذبات کی کہانی ہے جس کی ماں اسی دن مر گئی جس دن وہ پیدا ہوا۔ وہ اسے جذبہ محرومی کی نظم کہتے ہیں۔ نظم کی حزنیہ کے ساتھ تصوراتی یادیں، مست گھٹائیں، بجتے کان، تھرکتی پرچھائیاں اور خاموش سوز دروں سے سلگتی شام کا بیان بقول وارث علوی: "منظر خود نظم میں ڈھلتا ہے اور نظم کی تشکیل کرتا ہے۔" (xix)

Vol. 5 No.4 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

"محمد علوی کی شاعری" مضمون میں وارث علوی ان کی شاعری کو سادگی کا بہترین نمونہ کہتے ہیں۔ علوی رویہ سازی کی بجائے احساس کی تازگی پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ انداز بیاں کو غیر ضروری طور پر آراستہ و پیراستہ کرنے کا تردد نہیں کرتے۔ شعری تجربے کو انتہائی سادگی، صفائی اور چابک دستی سے پیش کرنا علوی کا خاصا ہے۔ وارث علوی کے مطابق سب سے اہم اور بڑی خوبی ان کی چوکسائی ہے۔ قدیم اور رسمی شعری انداز کے خلاف بغاوت کے باوجود انھوں نے فارم کی مکمل پابندی کی ہے۔ ظاہری اور تکنیکی انداز میں تبدیلی اور تخلیقی اخلاص کی قیمت پر اس کے اثرات قبول نہیں کیے۔ مختلف و منفرد ہونے کی دھن بھی ان پر سوار نہیں بلکہ وہ تو صرف اپنی بات کو اپنے انداز میں کہنے کے تمنائی ہیں۔ اس لیے ان کی شاعری میں کاری گری اور دانش وری نہیں ہے۔ وارث علوی ان کی شاعری کا تجزیہ کرتے ہوئے، ان غیر ملکی لکھاریوں کا حوالہ دیتے ہیں جنھوں نے شعری اصناف کی ظاہری خوبیوں پر زور دیا۔ محمد علوی پیکر تراش شاعر نہیں "گھوڑے پر ایک لاش" ان کی نمائندہ نظموں میں سے ایک ہے۔ اس میں الفاظ سے فضا بنتی ہے۔ استعاروں سے روشن تصاویر بنتی ہیں۔ پھر تخلیقی برجستگی سے استعارہ امیج میں اور امیج استعارے میں تبدیل ہوتا ہے۔ تاہم محمد علوی کے ہاں ان کا اپنا رنگ زیادہ گہرا ہے۔ اس لیے دیگر شعرا کے اثرات ان کے رنگ پر غالب نہیں ہو سکے۔ یہ ارد گرد کے اثرات ہیں جو ایک طرح کی نمو بن کر ان کے کلام کی جزئیات بن گئی ہیں۔ کچھ ناقدین نے منیر نیازی اور ناصر کاظمی کے اثرات کا ذکر کیا ہے۔ تاہم وارث علوی کے مطابق ان دونوں شاعروں کی رومانیت اپنے عہد کے دیگر شعرا کی رومانیت کی مانند ہے جب کہ محمد علوی کی رومانیت تلخ حقائق کی آگ میں جل جل کر کندن بن چکی ہے۔ اس میں شہری سماج کے ظاہری حسن کے ساتھ ساتھ باطن کی کثافتیں بھی ہیں۔ بقول وارث علوی:

> محمد علوی کی ذات وہ نقطہ اتحاد ہے جہاں خارجی دنیا کے حادثات اور داخلی دنیا کی واردا تیں دو دھاروں کی صورت، آپس میں مل جاتے ہیں۔ (xx)

وارث علوی نے محمد علوی کو "احساس کا شاعر" کہا ہے۔ وہ ایک ایسا شاعر ہے جو بے کیفی، رومانی، غم اور بے مقصدیت کا بھرپور احساس رکھتا ہے اور جو چیز ایسے شاعر کو خود کشی سے روکے رکھتی ہے وہ فکر نہیں احساس کی منطق اور دولت ہی ہے۔ اپنے اس مضمون کے آخر میں وارث علوی شاعری کے وسیع کینوس کا دو نثر پاروں میں احاطہ کرتے ہیں۔

چار صفحات کی مفصل اور دلچسپ تمہید کے بعد وارث علوی محبوب راہی کی شاعری، "بند مٹھی کا بھرم" کا جائزہ لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک محبوب راہی کی شاعری تنقید کی قسم ہے۔ ان کی شاعری میں شاعری کم اور تنقید زیادہ ہے۔ ادبی شخصیات کے معاملات و مسائل کو بھی انھوں نے اپنی شاعری میں جگہ دی ہے۔ سماجی مسائل، منافقت، زمانہ کے نشیب و فراز، غرض سب کچھ ہے سوائے موضوع محبت کے۔ جی ہاں! محبوب راہی نے روایتی حسن و عشق کے معاملات، ہجر و وصال، لب و رخسار اور محبوب کے ناز و ادا کو ہر گز اپنا موضوع سخن نہیں بنایا۔ وارث علوی ان کے کلام کو "شہر آشوب" کا نام دیتے ہیں۔ ان کے مطابق یہ غزلیں شاعری کی بوطیقا ہیں۔ ان کے نزدیک محبوب راہی کا نہ تو عشق مجازی ہے اور نہ ہی حقیقی بلکہ ان کا عشق، شعری عشق ہے۔ شاعری کے ذکر کے ساتھ وہ آج کل کے سماجی مسائل کو بھی ضرور موضوع بناتے ہیں۔ ان کے مجموعے کو وارث علوی شاعری نامہ اور آشوب زمانہ کا مجموعہ قرار دیتے ہیں۔ (xxi)

وارث علوی کے مطابق اس نوع کے اشعار میں اثر آفرینی ضرور موجود ہے۔ اپنے 12 صفحات کے اس مضمون کے آخر میں انھوں نے محبوب راہی کے کلام سے تیرہ اشعار اس یقین کے ساتھ منتخب کیے ہیں کہ یہ انتخاب دونوں کو رسوا نہیں کرے گا۔

ندا فاضلی۔ جدید شاعری کا معتبر نام" کے عنوان سے وارث علوی نے جو مضمون تحریر کیا ہے، اس میں انھوں نے شاعری کی انفرادیت اور مرکزی احساس اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ ندا فاضلی ایسے تخلیق کاروں میں سے ہیں جن کی شاعری جیتے جاگتے انسانوں کے متعلق ہے۔ اس میں انسان اور ان کے خواب ہیں۔ اس میں اپنی مٹی کی مہک ہے۔ اگرچہ ان کی شاعری میں بلند و بالا خیالی عمارتیں نہیں ہیں لیکن اس میں ایسا رنگ و آہنگ ضرور موجود ہے جو قاری کو مسحور اور مسرور کر دیتا ہے۔ الفاظ سے زیادہ لب و لہجے کی خوبصورتی نمایاں ہے۔ اکثر نظمیں راہ راست اسلوب میں کہی گئی ہیں۔ ان میں فنی اسرار و رموز سے کام لیا گیا ہے مگر شاعر نے نظم کا قدرتی پن اور اس کا اصل حسن برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے جس میں اسے کامیابی ملی ہے۔ بقول وارث علوی:

Vol. 5 No.4 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

"وہ(ندا فاضلی)صاف ستھرے اسلوب کا شاعر ہے۔" (xxii)

نظموں کے علاوہ ندا فاضلی نے غزلیات بھی کہی ہیں۔ جدید غزل گو شعرا کے ہاں شہر اور شہر کی زندگی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ندا فاضلی نے شہر کی بھیڑ کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ اس میں شہری اور مشینی زندگی کے دونوں پہلوں کو

مد نظر رکھا ہے۔ ان کی شاعری میں محبوب کی گلیوں سے لے کر شہر کی سڑکوں تک کا تذکرہ ملتا ہے۔ بقول شاعر:۔

" بے جڑی اجنبیت اور تنہائی--بے چہرہ گی--اور رقابتیں اور زندگی کے ان قرضوں کی تڑپ--اور تلاش جو اس بے ہنگم، حوصلہ شکن اور تھکا دینے والی تگ و دو میں اس آباد خرابے میں زندگی کو تھوڑا بہت نشاط انگیز اور معنی خیز بنا سکیں"۔(xxiii)

وارث علوی نے ندا فاضلی کی نظم و غزل میں فکر و احساس کے عناصر تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن کے مطابق فاضلی کو انفرادی لب و لہجہ عطا ہوا ہے۔ مضمون دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ ان کا ایک غیر رسمی انداز میں تحریر کیا ہوا مضمون ہے جس میں ان کے خاص تیکھے اسلوب کے حامل جملوں اور کاٹ دار فقروں کی کمی محسوس ہوتی ہے۔

اختر الایمان جدید نظم گو شعرا میں معروف ہیں۔ نظموں کی ساخت اور متنوع اسلوب کے باعث وہ اپنی ایک الگ پہچان رکھتے ہیں۔ غزل کی تنگ دامنی اور یکسانیت سے وہ بے زار تھے۔ اس لیے انھوں نے نظم کی سمت کا انتخاب کیا۔ اسلوب کے ساتھ ساتھ ان کی نظموں میں سوچ اور فکر کے بھی کئی زاویے اور رنگ ملتے ہیں۔ ان کی شاعری گفتگو کے انداز میں مکالمہ کرتی ہے۔ جوش خطابت اور تقریر کا عنصر اس میں شامل ہیں۔ مکالماتی لب و لہجہ اور ڈرامائی انداز کی حامل ہے جن میں عصر حاضر کی خوبیوں پر بھی طنز کیا گیا ہے۔ ان میں اختر الایمان کی بچپن کی یادیں بھی منظوم کی گئیں ہیں اور ان کے فکری ارتقاء کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔

وارث علوی نے مضمون "اختر الایمان کی شاعری" میں ان کی شاعری کا فکری اور فنی حوالوں سے جائزہ لینے کی کاوش کی ہے۔ ان کے پہلے شعری مجموعے "گرداب" میں یادیں ماضی کی پرچھائیاں نظر آتی ہیں۔ رومانیت سے شعری سفر کا آغاز کرنے والے یہ تخلیق کار آہستہ آہستہ حقیقت کی طرف آ گئے۔ وارث علوی نے اس مضمون میں اختر الایمان کی شاعری اور ان کے مطالعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کے ہاں اپنے ہم عصر شعرا کے جملہ اسالیب کا رنگ ملتا ہے۔ وارث علوی اسے ان کے اپنے اسلوب کی لچک کا نام دیتے ہیں۔ ان کی شاعری میں انھوں نے راشد، فیض اور میراجی کے اثرات یا ان کے اسالیب کی پرچھائیاں تلاش کی ہیں۔ حسب عادت؛ وارث علوی نے اختر الایمان پر دیگر ناقدین کی رائے سے اختلاف بھی کیا ہے۔ یہ وہ ناقدین ہیں جنھوں نے اختر کے اسلوب کو علامتی قرار دیا ہے۔ وارث علوی کے مطابق پہلا نمونہ کلام "گرداب" کے بعد اختر الایمان کا اسلوب علامت سے انحراف کرتا دکھائی دیتا ہے۔ وارث علوی کے انداز میں:

"اختر الایمان کا تخیل بنیادی طور پر راشد اور فیض کی مانند علامت پسندانہ نہیں ہے۔ علامت نگاری ان کے ہاں موہوم اور بڑی حد تک کمزور شاعری کی نقاب پوشی کا بہانہ بنتی ہے۔ اس سے گلو خلاصی اختر الایمان کے لیے ضروری تھی اور وہ انھوں نے کی"۔ (xxiv)

اختر الایمان نے اپنی شاعری میں اسلوب کے اعتبار سے نظم معری اور ہندی لفظیات سے استفادہ کیا ہے۔ غزل سے دور رہے اور کسی حد تک اس کی مخالفت بھی کرتے رہے۔ وارث علوی نے اپنے مضمون میں راشد اور فیض کی شعری جہات اور ان کے اسلوب کی روشنی میں اختر الایمان کی شاعری پر تبصرہ کیا ہے۔ ان کے مطابق:

"اختر الایمان پتھرائی آنکھوں سے تاریخ کے ہولناک کھیل کو دیکھتے ہیں۔ آنکھ سے آنسو نہیں گرتا لیکن جگر خون ہو جاتا ہے جو ان کی شاعری کی حنابندی کے کام آتا ہے"۔ (xxv)

مجموعی طور پر یہ وارث علوی کی ایک کامیاب تحریر ہے مگر اس میں بھی وہ وارث علوی کم کم ہی نظر آتے ہیں جس کی شہرت اردو ادبی دنیا میں ہے۔

Vol. 5 No.4 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

وارث علوی کی تنقیدی زبان خاص انفرادیت کی حامل ہے۔ لب ولہجہ بالکل بے تکلفانہ اور سادہ ہے۔ وہ اکثر و بیشتر علمی و فکری باتیں بھی اسی انداز میں کہ جاتے ہیں۔ بذلہ سنجی، طنز اور جملے بازی بھی ان کی تنقید میں ملتی ہے۔ تاہم شائستگی کو ضرور ملحوظ رکھتے ہیں۔ ان کی تنقیدی بصیرت اور وسعت مطالعہ کے پیش نظر انھیں ایک فکر افروز نقاد کہا جاسکتا ہے۔ ان کے تمام مضامین بہت دلچسپ پیرائے میں لکھے گئے ہیں۔ طوالت کے باوجود پڑھنے والے کا تسلسل اور دلچسپی قائم رہتی ہے۔

وارث علوی نے جن شعرا پر قلم اٹھایا ہے، ان کے ساتھ انصاف کرنے کی بھرپور تخلیقی کاوش کی ہے۔ اپنے وسیع مطالعے، تعلیمی پس منظر اور تنقیدی نظر سے انھوں نے مختلف تخلیقی رنگوں کی پہچان بہ خوبی کی ہے۔ شاعری پر وارث علوی کے یہ مضامین جہاں ان کی شعر شناسی کی دلیل ہیں، وہیں یہ مضامین قاری کو فن شعر و شاعری کے اعلیٰ و ارفع مقام سے بھی آگاہ کرتے ہیں۔

حوالہ جات

1. [i] وارث علوی، "کچھ بچالایا ہوں"، گاندھی نگر، گجرات، اردو اکیڈمی، 1990، ص:12
2. [ii] وارث علوی، "ادب کا غیر اہم آدمی"، نئی دہلی، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، 2001، ص:3

[iii] وارث علوی، "قافیہ تنگ اور زمین سنگلاخ ہے"، مشمولہ: "بت خانہ چیں"، مرتبہ: محی الدین، گجرات، اردو اکیڈمی، 2010، ص:65

1. [iv] ایضاً، ص:79
3. [v] وارث علوی، "شاعری اور افسانہ"، مشمولہ: "بورژوازی اور بورژوازی"، نئی دہلی، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، 1999، ص:51

[vi] وارث علوی، "سودا کا طنزیہ کلام"، مشمولہ: "اوراق پارینہ"، نئی دہلی، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، 1998، ص:82

1. [vii] ایضا، ص:102
4. [viii] وارث علوی، "تذکرہ شوق"، مشمولہ: "اوراق پارینہ"، ص:28
5. [ix] ایضاً، ص:45

[x] وارث علوی، "غالب کی شاعری سے متعلق ہمارا تنقیدی رویہ"، مشمولہ: "کچھ بچالایا ہوں"، ص:145

[xi] وارث علوی، "خطوط اقبال"، مشمولہ: "اردو مضامین / منتخب مضامین" کراچی، فضلی سنز، ۲۰۰۰، ص:330

1. [xii] وارث علوی، "راشد کی شاعری"، مشمولہ: "اے پیارے لوگو"، نئی دہلی، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، 1981، ص:219
6. [xiii] وارث علوی، "جوش ملیح آبادی"، مشمولہ: "جوش ملیح آبادی۔ خصوصی مطالعہ" مرتبہ، ڈاکٹر قمر رئیس، دہلی، تخلیق کار پبلشرز، 1993، ص:124
7. [xiv] ایضاً، ص:125
8. [xv] وارث علوی، "جان نثار اختر کی شاعری"، مشمولہ: "تیسرے درجہ کا مسافر"، جودھ پور، امت پرکاش، 1981، ص:255
9. [xvi] ایضاً، ص:262
10. [xvii] ایضاً، ص:262
11. [xviii] وارث علوی، "نظم گو فراق"، مشمولہ: "فراق گورکھ پوری-ذات وصفات"، مرتبہ: محمد سعیدی، دہلی، اردو اکادمی، 1998، ص:59

Vol. 5 No.4 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

12. [xix]ایضاص:71 20

13. [xx]وارث علوی، "محمد علوی کی شاعری "مشمولہ "پیشہ تو سپاہ گری کا بھلا" گاندھی نگر، گجرات اردو اکادمی،1990، ص:231

14. [xxi]وارث علوی، "بغاوت کی جدلیات اور باقر مہدی"، مشمولہ: "کچھ بچالایا ہوں"، ص:171

15. [xxii]ایضاً، ص:175

16. [xxiii]وارث علوی، "ندا فاضلی۔ جدید شاعری کا معتبر نام" مشمولہ: "ناخن کا قرض"، نئی دہلی، مکتبہ جدید، 2003، ص:112

17. 0020[xxiv]وارث علوی، "اختر الایمان کی شاعری" ص:75

18. [xxv]ایضا، ص:76